ریاستِ مدینہ کی خصوصیات

سیّد اسعد گیلانی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخِ انسانیت کی ۲۳ سالہ قلیل ترین مدت میں جو عظیم الشان نقلاب بر پا کیا وہ اپنی نوعیت، کیفیت، جدوجہد اور نتائج کے اعتبار سے اتنا حیران کن ہے کہ اس کی ظیر تاریخِ عالم میں کہیں موجود نہیں ہے۔ جب ہم اس انقلاب کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے ہیں و حقیقتاً اس کے سوا کسی دوسرے انقلاب پر لفظ انقلاب کا اطلاق ہی درست معلوم نہیں ہوتا۔ اگر یہ ات کہی جائے کہ اب تک انسانیت کی تاریخ صرف ایک ہی حقیقی انقلاب سے آشنا ہے تو یہ کوئی بالغہ آمیز بات نہیں ہے اور نہ اس کا انکار آسان ہے۔ اس لیے کہ اب تک دنیا میں انقلاب کا فہوم صرف اسی قدر سمجھا جاتا ہے کہ انسانوں پر غالب اور مسلّط، پہلے اقتدار کو بے دخل کر کے یک دوسرا اقتدار ان پر مسلّط کر دیا جائے۔ یہ کام جس قدر اچانک ہو اور اس میں جس قدر زیادہ ون خرابہ ہو اسی قدر بڑا انقلاب سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالاں کہ فساد فی الارض، ہلاکتِ انسانی، ضیاع جان و مال و عزت و آبرو، انسانی بستیوں کی بربادی اور ظالموں کے ایک گروہ کے بعد ظالموں کے ی کسی دوسرے گروہ کے مسلط ہوجانے سے انسانیت کی قسمت میں وہ کون سا تغیر واقع ہوجاتا ہے جس کی بنا پر اسے انقلاب کہا جاسکے۔

البتہ ایک ایسی جدوجہد جس کے نتیجے میں پرانا، بداخلاق اور بدکردار انسان یکسر ایک نئے پابندِ اخلاق انسان کا رُوپ دھار لے۔ قدیم رسموں اور عصبیتوں کا مارا ہوا اور اخلاقی خرابیوں میں لوث انسانی معاشرہ سارے بوجھ اُتار کر سیدھا سادا خدا پرست، شریف اور پابندِ اخلاق معاشرہ بن جائے جس میں خدا ترسی، ہمدردی، اخوت، مساوات، مسئولیت، آخرت کی جواب دہی، نیکی اور

خیر خواہی کی قدریں جاگزیں ہوجائیں۔ ظالم اور جابر حکام کی بجائے خداترس اور نیک حاکم کا ٹھنڈ سایہ انسانوں کو میسر آجائے اور جانب دارانہ، سنگدلانہ اور متعصّبانہ قوانین کے بجاے مساوار انسانی پر مبنی غیر جانب دارانہ، خداترسانہ اور رحم لانہ قوانین انسانوں میں رائج ہوجائیں—— تو اسَ حقیقی طور پر انقلاب کہا جاسکتا ہے۔ پھر جب یہ بات معلوم ہو کہ یہ کام صرف ۲۳ برسوں کی مختۃ مدت میں ہوگیا تو انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ پھر جب مزید یہ پتا چلے کہ یہ سب کچھ پُرامن ط پر بلاخون خرابے کے ہوا اور ۲۷ غزوات اور ۵۴ سرایا میں صرف چند سو انسان دوطرفہ کام آئے انسانی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ اس ساری انقلابی جدوجہد کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان ۔ ساختہ یہ بات کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ اگر تاریخ انسانی میں کوئی حقیقی انقلاب برپا ہوا ہے تو فؔ یہی انقلاب ہے باقی جو کچھ ہے وہ ساری کش مکش اقتدار اور خون خرابی کی داستان ہے....

اس سے پہلے کہ ہم مدینہ کی عظیم الشان اسلامی ریاست کے قیام کی تدابیر اور اسلامی نظا کے اجرا کی حکمتوں اور مختلف جہتوں پر بحث کریں خود اسلامی ریاست کی بعض خصوصیات کا تذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ اندازہ کرنا نہایت ضروری ہے کہ صرف چند برسوں میں ایسا حیرت انگ کارنامہ سرانجام دینا کتنی زبردست جدوجہد، بصیرت، تدبر، حکمت، دانش اور بے نظیر رہنمائی اور قیادت کا نتیجہ ہے۔ یہ انقلاب انسانی تاریخ میں اب تک منفرد واقعہ ہے جیسے کہ انسائی کلوپیڈیا برٹانیکا نے لکھا ہے: ''یہ وہ کامیابی ہے جو آپ سے قبل کسی دور میں بھی کسی دینی معلّم کو حاصل نہ ہوسکی تھی''

حقیقت یہ ہے کہ اس کی نظیر بنی نوع انسان زمین پر آج تک پیش نہیں کرسکے ہیں۔ ایک فرد فی قوم اُٹھ کر اپنی بات کہتا ہے۔ پوری قوم مزاحمت کرتی ہے اور ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اس کے پیش کردہ نظریے کے عین مطابق افراد ڈھل جاتے ہیں۔ معاشرہ بدل جاتا ہے۔ قوانین اجراء ہوجاتا ہے۔ تصوراتِ اخلاق و کردار اور معیشت و معاشرت و سیاست و تہذیب و تمد سب بدل جاتے ہیں۔ اس انقلاب سے ۲۵ سال پہلے کا انسان یکبارگی قبر میں سے اُٹھ کر اگ واپس اس سرزمین میں آتا تو اس بدلے ہوئے ماحول کو دیکھ کر کبھی باور نہ کرسکتا کہ وہ کھلی آنکھو کے ساتھ عالمِ بیداری میں ایسا عظیم الشان تغیر انسانی زندگی میں دیکھ رہا تھا اور وہ واقعی اس سرزمین میں واپس آیا تھا جس سے وہ رخصت ہوا تھا۔

یہ اسلامی ریاست جو حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تائید اور اپنی زبردست ل گسل جدّوجہد سے قائم کی، ایک اصولی اور نظریاتی ریاست تھی۔ یہاں اس کی بیش بہا موصیات میں سے چند ایک کا ذکر نہایت ضروری ہے۔

۱- اس ریاست کی بنیاد ایک ایسے معاہدے پر رکھی گئی تھی جو پہلے ایک شخص اور ایک شہر کے باشندوں کے درمیان طے پایا تھا اور انھوں نے برضا و رغبت اسے سارے معاملات کا سربراہ اور ذمہ دار تجویز کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت (عقبہ) کی تھی۔ اگر کوئی معاہدۂ عمرانی نامی شے کسی جگہ واقع ہوئی تھی تو وہ یہی معاہدہ تھا جس کے تحت ایک جگہ کے باشندوں نے اپنی آزاد مرضی سے حضورؐ کو اپنا سربراہ تجویز کیا۔ گویا یہ ریاست خالص عوامی رضامندی اور معاہدے پر قائم کی گئی تھی۔

۲- اس ریاست کی ایک اور خصوصیت اس کا ایک تحریری دستور تھا۔ یہ ایک خالص دستوری اور آئینی ریاست تھی جس میں اس کے باشندوں کے حقوق وفرائض کی واضح تعین وتقسیم کی گئی تھی۔ غالباً یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا جو مدینہ کی ریاست کے ذریعے وجود میں آیا تھا۔

۳- یہ ایک اصولی اور نظریاتی ریاست تھی کیوں کہ اس کی بنیاد نسل، علاقہ، زبان، قبیلہ یا معاشی اور سیاسی مفادات کے کسی اشتراک پر نہیں رکھی گئی تھی بلکہ چند اصولوں کی حفاظت اور ان کے اجرا کے لیے یہ ریاست وجود میں آئی تھی۔

۴- اس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ ایک جامع تصورِ زندگی پر قائم ریاست تھی جو انسان کی زندگی کے تمام شعبوں کو منظم کرتی اور انھیں ایک سمت بندگیِ رب کی طرف موڑتی تھی۔ وہ عبادات سے معاملات تک انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر محیط تھی۔

۵- دنیا میں پہلی بار دین وسیاست کے حسین امتزاج پر مبنی یہ ریاست قائم ہوئی تھی۔ رسول ہی اس ریاست کا سربراہ تھا۔ وہی فوجوں کا کمانڈر تھا اور وہی نمازوں کا امام تھا۔ وہی عمّال کا نگران تھا اور وہی الٰہی تعلیمات پہنچانے کا ذمہ دار تھا۔ محراب و منبر اور دربار و دفتر کے اس امتزاج واجتماع نے انسانی زندگی کی تقسیم کو ختم کر کے اسے ایک حسین اور متوازن وحدت میں بدل دیا تھا جس سے انسان کے بے شمار بوجھ اُتر گئے تھے۔

۶- یہ ایک جمہوری اور شورائی ریاست تھی جس میں سارے کام مشورے سے طے ہوتے تھے۔ چوں کہ خدائی حکم یہی تھا کہ سارے کام مشورے سے طے کیے جائیں: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ''ان سے معاملات میں مشورہ کرو'' اور وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ''ان کے امور آپس میں مشورے سے طے ہوتے ہیں'' کے مطابق صلح و جنگ، داخلی اور خارجی معاملات سب کے سب مشورے سے طے پاتے تھے اور ساری پالیسیاں باہمی مشورے سے ہی مرتب ہوتی تھیں۔ حُریتِ فکر، مساواتِ انسانی، عدلِ اجتماعی اور جمہوریت، ان الفاظ کی روح کے مطابق ان کا پورا پورا اہتمام تھا۔ ہر قسم کی غلامی سے آزادی کا منشور وہ انقلابی کلمہ تھا جو اس ریاست کے بنیادی نظریہ کا ترجمان تھا۔ مساواتِ انسانی، وحدتِ انسانیت اور اخوت پر قائم تھی۔ قانون سے بالاتر خود سربراہِ مملکت کی ذات بھی نہ تھی۔

۷- یہ ایک فلاحی اور خادمِ خلق ریاست تھی جس کے ذمے خدمتِ انسانیت اور کفالتِ رعایا تھی۔ اس ریاست میں کوئی گداگر نہ تھا۔ اس کے سربراہ کا اعلان تھا کہ جو مقروض فوت ہوجائے اس کا قرض ریاست کے ذمے ہے اور جو وراثت چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کی ہے۔ روزگار کی ضمانت اور معاشی کفالت کا اہتمام ریاست کے ذمے تھا۔

۸- یہ ریاست اپنے اجتماعی اُمور میں خدا کے سامنے جواب دہ تھی اور اس کی تمام پالیسیاں اور قانون سازی خدا کی اُتاری ہوئی ہدایات کے مطابق طے پاتی تھیں۔ اس ریاست کا فرد فرد اس امر سے سرشار تھا کہ وہ خدا کے سامنے جواب دہ تھا اور اسی احساس کے تحت پوری ریاست کے باشندوں میں ذہنی مطابقت اور جذباتی ہم آہنگی موجود تھی۔ درحقیقت یہ کوئی غیر مسئول ریاست نہ تھی بلکہ اس کی حیثیت خدا کے سامنے ایک ایسے جواب دہ ادارے کی تھی جو خدا کی نیابت کرتا تھا۔ اسی لیے اسے خلافت سے تعبیر کیا گیا تھا۔

۹- اس ریاست کا تصورِ حاکمیت دنیا کی تمام ریاستوں سے مختلف تھا۔ اس کی حاکمیت نہ عوام کی تھی، نہ سربراہِ مملکت کی، نہ کسی خاندان کی اور نہ کسی ادارے کی بلکہ اس کی حاکمیت کا براہِ راست تعلق اللہ تعالیٰ سے تھا۔ وہ اس کا حقیقی اور مستقل حاکمِ اعلیٰ تھا جو ازل سے اَبد تک

حی و قیوم اور علیم و خبیر ہے اور جو ہر لمحہ اپنے بندوں کا نگران اور کفیل ہے، اور جو اپنی مخلوق کا تنہا واحد حاکم ہے، باقی سب اس کے محکوم ہیں۔ اس نظریے نے ریاستوں کے نظریۂ حاکمیت میں انقلابی تبدیلی کر دی۔ اس سے ایک ایسی بے لاگ مساوات اور ایک ایسا بے لوث انصاف قائم ہو گیا جس کی نظیر کسی دور اور کسی معاشرے میں ممکن نہ تھی۔

۱۰- اس ریاست کی ایک مستقل کتابِ ہدایت تھی جو خود قانون اور ماخذِ قانون تھی اور ہر نزاع میں آخری اتھارٹی شمار ہوتی تھی۔ اس نوعیت کی ریاست کے لیے تاقیامت یہ کتابِ ہدایت تھی جسے قرآن کہا گیا تھا اور جس کا ایک ایک لفظ حاکمِ اعلیٰ کا فرمایا ہوا اور ناقابلِ تغیر تھا۔ وہ اس ریاست کی مستقل گائیڈ بک، بنیادی قانون اور دستور تھی۔

۱۱- اس ریاست کے مقاصد میں سب سے بڑا مقصد خدا کے باغیوں کی سرکوبی تھا، نیز طاغوت کی مکمل نفی کر کے، دنیا کے تمام باغی انسانوں، ریاستوں، اداروں اور گروہوں کو خدا کی بندگی کی طرف لانا اور ایمان باللہ کو زمین کے آخری کناروں تک پہنچانا اس ریاست کا مقصدِ اوّلین تھا۔ اس طرح یہ ریاست ایک عالم گیر دعوتِ انقلاب کی داعی ریاست تھی اور اس کا قیام تمام دنیا کے طاغوتوں اور خدا کے نافرمانوں کے لیے ایک مستقل چیلنج تھا۔

۱۲- یہ ریاست ایک تعلیمی اور تربیتی ادارہ تھی جو اپنے باشندوں کو ایک مخصوص اخلاقی سانچے میں ڈھالنے کا اہتمام کرتی تھی۔ اس کا تصورِ انسان و کائنات اس کی تعلیم کے ہر گوشے میں پیوست تھا اور اس تصور کی روشنی میں وہ اپنے تمام باشندوں کو تعلیم دیتی اور ان کے کردار کے مطابق ڈھالتی تھی جس سے خدا ترس اخلاقی کردار وجود میں آتے تھے۔ یہ ریاست مادی اشیا سے زیادہ انسانوں پر توجہ دیتی تھی اور اس کے نزدیک ہر شے سے زیادہ انسان کی قدر و قیمت تھی۔ اس کے نزدیک ایک انسان کا ناحق قتل ساری مخلوق کے قتل کے مترادف تھا۔

۱۳- اس ریاست میں عمّال کے بارے میں صالح کی شرط لازم تھی۔ غیر صالح کردار کے لیے اس ریاست میں روٹی کپڑے اور مکان کا انتظام تو ضرور موجود تھا، لیکن اس کے لیے

اعلیٰ مدارج اور اُونچے مناصب کے حصول کا کوئی سوال نہ تھا۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ کے اصول کے تحت نیک اور صالح افراد ہی اس ریاست کے کل پرزے بن سکتے تھے۔ اس میں مال ونسب کی اہمیت نہیں شرافت اور اخلاق کی اہمیت تھی۔

یہ وہ عظیم الشان ریاست تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ۲۳ سال کی مدت میں قائم کر کے ایک حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ جو اپنی نوعیت میں منفرد اور ممتاز تھی اور جس کی مثال نہ اس سے پہلے دنیا میں کوئی ریاست قائم ہوئی تھی اور نہ اس کے بعد ایسی ریاست قائم ہوسکی، جب کہ ایسی ریاست کا قیام اُمت مسلمہ کا فرض ہے۔ اور اس کے قیام کے بغیر مسلمان اپنے مالک کے سارے احکام پر عمل پیرا نہیں ہوسکتے اور اس کے بغیر ان کی مسلمانی اَدھوری رہ جاتی ہے۔

یہ کارنامہ سرانجام دینے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایات کی روشنی میں مختلف حکمتوں سے کام لیا۔ اس میں حکمت تبلیغ ودعوت بھی شامل ہے۔ حکمتِ تنظیم واجتماع ہے۔ حکمتِ اخلاق وکردار ہے، حکمتِ ہجرت اور ترکِ وطن ہے، حکمتِ اَزدواج ہے، حکمتِ جنگ اور جہاد ہے اور حکمتِ تدبیر وسیاست ہے۔ ان ساری حکمتوں نے اپنی اپنی پوری کامیابی اور عمدگی سے کام کیا ہے تب جا کر وہ عظیم الشان ریاست وجود میں آئی جو درحقیقت حضرت عیسیٰؑ کے الفاظ میں زمین پر آسمانی بادشاہت تھی۔

اپنے روزانہ کے پروگرام میں

تفہیم القرآن سے آدھا گھنٹہ، گھنٹہ

.... قرآن کا مطالعہ بھی رکھیں ....

اس کے فوائد آپ کو بچشمِ سر خود نظر آئیں گے